تقریر

تقریر بابت مسیح موعودؑ
وقت 5-7 منٹ

حضرت مسیح موعودؑ کی احباب جماعت کو پند و نصائح

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء)

(تقریر نمبر 4)

اللہ تعالیٰ قرآنِ شریف میں فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَیُحِبُّ الۡمُتَطَہِّرِیۡنَ (البقرہ:223)

یقیناً اللہ کثرت سے توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاک صاف رہنے والوں سے (بھی) محبت کرتا ہے۔

تکبر سے نہیں ملتا وہ دلدار
ملے جو خاک سے اس کو ملے یار

معزز سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بطور حَکَم وعَدل اور نبیؐ، مجدّد اور مصلح کے آپؑ کے ملفوظات، ارشادات ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ جو ملفوظات کے نام سے دس جلدوں میں اکھٹے کر دئے گئے ہیں۔ خاکسار "مشاہدات" کے تحت تقاریر کی صورت میں روزمرّہ تربیتی نصائح کو اکٹھا کر رہا ہے۔ آج 1984ء ایڈیشن کی ملفوظات کی جلد نمبر 6 میں درج پند و نصائح تقریر نمبر 4 کی صورت میں پیش ہے۔

حقوق العباد کی تلقین کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔

"ہماری جماعت کو اس بات کا بہت خیال چاہیے کہ اگر ایک شخص فوت ہو جاوے تو حتّی الوسع سب جماعت کو اس کے جنازہ میں شامل ہونا چاہیے اور ہمسایہ کی ہمدردی کرنی چاہیے۔ یہ تمام باتیں حقوق العباد میں داخل ہیں۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ جس تعلیم اور درجہ تک خدا تعالیٰ پہنچانا چاہتا ہے اس میں ابھی بہت کمزوری ہے۔ صرف دعویٰ ہی دعویٰ نہ ہونا چاہیے کہ ہم ایمان دار ہیں بلکہ اس ایمان کو طلب کرنا چاہیے جسے خدا چاہتا ہے۔ بھائیوں کے حقوق کو اور ہمسائیوں کے حقوق کو شناخت کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ زبان سے کہہ لینا کہ ہم جانتے ہیں بیشک آسان ہے مگر سچی ہمدردی اور اخوّت کو برت کر دکھلانا مشکل ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تمام حرکات، اعمال، افعال کے لیے ایمان مثل ایک انجن کے ہے۔ جب ایمان ہوتا ہے تو سب حقوق خود بخود نظر آتے جاتے ہیں اور بڑے بڑے اعمال اور ہمدردی خود ہی انسان کرنے لگتا ہے۔ ایمان کا تخم آہستہ آہستہ ترقی کرتا ہے لیکن یہ ہر ایک کے نصیب میں نہیں ہوتا۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 107)

قتل انبیاء سے کیا مراد ہے

فرمایا:

" راست باز کی یہی نشانی ہے کہ جس مطلب کے لیے خدا نے اُسے پیدا کیا ہے جب تک وہ پورا نہ ہولے یا کم از کم اس کے پورا ہونے کی ایسی بنیاد نہ ڈال دے کہ اُسے تنزّل نہ ہو تب تک وہ نہ مرے۔ مگر ایک کذّاب سے یہ بات کب ہو سکتی ہے۔ قتل سے مراد یہ ہے کہ اُس قتل میں ناکامی اور نامرادی ساتھ نہ ہو اور جب تک ایک انسان اپنا کام پورا کر چکے تو پھر خود مر جائے یا کسی کے ہاتھ سے مارا جاوے۔ موت تو بہر حال آنی ہی ہے کسی صورت میں آگئی اس میں کیا حرج ہے اور کامیابی کی موت پر کسی کو بھی تعجّب نہیں ہوا کرتا اور نہ دشمن کو خوشی ہوتی ہے۔ قرآن شریف کے صریح الفاظ سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ خدا تعالیٰ نے قتلِ نبی حرام کیا ہو بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت لکھا ہے اَفَاۡئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ (العمران:145)۔ جس سے قتل انبیاء کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ اب جنگوں کے بیچ میں ہزاروں افسر

مارے جاتے ہیں لیکن اگر ان کی موت کامیابی اور فتح اور نصرت کی ہو تو اس پر کوئی رنج نہیں کرتا بلکہ خوشی کرتے ہیں اور جو خدا کے اہل ہوتے ہیں ان کا قتل تو ان کے لیے زندگی ہے کہ اپنے قائم مقام ہزاروں چھوڑ جاتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اس وقت ہوئی کہ زمانہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم:42) کا مصداق تھا اور گئے اُس وقت جب کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (النصر:2) کی سند آپؐ کو مل گئی۔ پس اگر آپؐ کو کامیابی نہ ہوتی لیکن آپؐ کسی کے ہاتھ سے قتل بھی نہ ہوئے تو اس سے کیا فائدہ تھا اور یہ کون سا مقام فخر کا ہے۔ ہاں جب ایک شخص سلطنت قائم کرتا ہے اور اپنے قائم مقام مظفر و منصور چھوڑتا ہے تو کیا پھر دشمن کی خوشی کا موجب ہو سکتا ہے؟۔ بڑی سے بڑی ذلّت یہ ہے کہ ناکامی اور نامرادی کی موت آوے۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کامیابی کی حالت میں قتل کیے جاتے تو اس سے آپؐ کی شان میں کیا حرف آسکتا تھا۔ یہ بھی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دی گئی تھی۔ آپؐ کی موت میں اس زہر کا بھی دخل تھا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ جب آپ کی موت ایسی حالت میں ہوئی کہ کافر اس بات سے ناامید ہو گئے کہ ان کا دین پھر عود کرے گا تو ایسی حالت میں اگر آپ زہر یا قتل سے مرتے تو کون سی قابل اعتراض بات تھی؟ دین تو تباہ نہیں ہو سکتا تھا۔ غرضکہ توریت میں جس قتل کا ذکر ہے تو اس سے نامرادی اور ناکامی کی موت مراد ہے۔ حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام قریبی رشتہ دار تھے۔ یحییٰؑ کے قتل ہو جانے سے دین پر کوئی تباہی نہ آسکتی تھی۔ اگر یحییٰؑ قتل ہوئے تو پھر عیسیٰؑ ان کی جگہ کھڑے ہو گئے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یحییٰؑ کوئی صاحب شریعت نہ تھے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وعدہ توریت کا صاحبِ شریعت کے لیے ہو۔ انگریزوں اور سکھوں کی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ سکھ لوگ ان میں اکثر انگریزوں کو قتل کرتے رہے لیکن اب جس حالت میں کہ انگریز فاتح اور بادشاہ ہیں تو کیا سکھ یہ فخر کر سکتے ہیں کہ ہم نے اس قدر انگریزوں کو قتل کیا۔ یہ کوئی جگہ فخر کی نہیں ہے کیونکہ آخر میدان انگریزوں کے ہاتھ رہا۔ زندہ وہ ہوتا ہے جس کا سکّہ چلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کروڑہا مسلمان موجود ہیں اور ابو جہل کے بعد اس کا تابع کوئی نہیں بلکہ اس کی اولاد ہونے کا کوئی نام نہیں لیتا تو کیا ابو جہل کی طرف سے کوئی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ ہم نے مسلمانوں کو فلاں جگہ شکست دی تھی یا کوئی بے وقوف اگر یہ کہے کہ ہوا کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مر گئے اور ابو جہل بھی۔ تو یہ اس کی غلطی ہے۔ مقابلہ تو کامیابی سے ہوتا ہے ابو جہل کا نام ندارد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو تخت موجود ہے۔

انبیاء کو خدا ذلیل نہیں کیا کرتا۔ انبیاء کی قوّتِ ایمانی یہ ہے کہ خدا کی راہ میں جان دے دینا وہ اپنی سعادت جانیں۔ اگر کوئی موسیٰ علیہ السلام کے قصّہ پر نظر ڈال کر اس سے یہ نتیجہ نکالے کہ وہ ڈرتے تھے تو یہ بالکل فضول امر ہے اور اس ڈر سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ ان کو جان کی فکر تھی بلکہ ان کو یہ خیال تھا کہ منصبِ رسالت کی بجا آوری میں کہیں اس کا اثر اچھا نہ پڑے۔ میرے نزدیک مومن وہی ہے کہ اگر اُس نے خدا تعالیٰ کی راہ میں جان نہ دی ہو تو وہ روحانی طور پر ضرور جان دے کر شہید ہو چکا ہو۔ پس اگر موسیٰؑ کو جان کا ہی خوف تھا تو اس سے (اگر یہ افواہ سچ ہے کہ شہزادہ پیر مولوی عبد اللطیف خاں صاحب سنسار کر کے مارے گئے ہیں) عبد اللطیف صاحب ہی اچھے رہے جنہوں نے ایمان نہ دیا اور جان دے دی۔ پس ہمارا تو یہی خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت یہ خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ مَیں نامراد مارا جاؤں اور فرض رسالت ادا نہ ہو۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 117-119)

سامعین! اللہ پر ایمان لانے کے معنی

فرمایا:

" اللہ پر ایمان لانے کے معنی آپ نے کیا سمجھے ہوئے ہیں۔ کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ جو عیسیٰؑ پر ایمان لاوے وہ بھی اللہ پر ایمان لانے والا ہے؟ اللہ پر ایمان لانے کے یہ معنی ہیں کہ اُسے ان تمام صفات سے موصوف مانا جاوے جن کا ذکر قرآن شریف میں ہے مثلاً ربّ، رحمان، رحیم، تمام محامد والا، رسولوں کو بھیجنے والا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے والا۔ اب آپ ہی بتلاویں کہ قرآن شریف میں لفظ اللہ کے یہ معنی ہیں کہ نہیں؟ پھر جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتا قرآن کو نہیں مانتا تو اس نے کیا اس اللہ کو مانا جسے قرآن نے پیش کیا ہے۔ جیسے گلاب کے پھول سے خوشبو دور کر دی جاوے تو پھر وہ گلاب کا پھول پھول نہیں رہتا اور اُسے پھینک دیتے ہیں۔ پس اسی طرح اللہ کو ماننے والا وہی ہو گا جو اُسے اُن صفات کے ساتھ مانے جو قرآن نے بیان کیے ہیں۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 125)

عذاب کی فلاسفی

فرمایا:

" ہمارا مذہب یہ ہے کہ دنیا میں جو عذاب ملتے ہیں وہ ہمیشہ شوخیوں اور شرارتوں سے ملتے ہیں۔ انبیاء اور مامورین کے جس قدر منکر گزرے ہیں اُن پر عذاب اُسی وقت نازل ہوا جبکہ اُن کی شرارت اور شوخی حد سے تجاوز کر گئی۔ اگر وہ لوگ حد سے تجاوز نہ کرتے تو اصل گھر عذاب کا آخرت ہے ورنہ اس طرح سے دیکھ لو کہ ہزاروں کافر ہیں جو کہ اپنا کاروبار کرتے ہیں اور پھر کفر پر ہی مرتے ہیں مگر دنیا میں کوئی عذاب اُن کو نہیں ملتا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ مامور من اللہ کے مقابلہ پر آکر شوخی اور شرارت میں حد سے نہیں بڑھتے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آخرت میں بھی ان کو عذاب نہ ہوگا۔ دنیاوی عذاب کے لیے ضروری ہے کہ انسان تکذیب مرسل، استہزاء اور ٹھٹھے میں اور ایذاء میں حد سے بڑھے اور خدا کی نظر میں ان کا فساد فسق اور ظلم اور آزار نہایت درجہ پر پہنچ گیا ہو۔ اگر ایک کافر مسکین صورت رہے گا اور اس کو خوف دامن گیر ہوگا تو گو وہ اپنی مذہبی ضلالت کی وجہ سے جہنم کے لائق ہے مگر عذابِ دُنیوی اس پر لازم نہ ہوگا۔

اگر کفار مکّہ چپ چاپ اور اخلاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش آتے تو یہ عذاب اُن کو جو ملا ہرگز نہ ملتا۔ ایک جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا (بنی اسرائیل:17) کہ جب کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ارادہ الٰہی ہوتا ہے تو اُس وقت ضرور وہاں کے لوگ بدکاریوں میں حد اعتدال سے نکل جاتے ہیں پھر ایک اور جگہ ہے وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ (القصص:60) جس سے ثابت ہے کہ کوئی بستی نہیں ہلاک ہوتی مگر اس حالت میں کہ جب اس کے اہل ظلم پر کمربستہ ہوں۔ فسق کی معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔

اب دیکھو! ہزاروں ہندو ہیں مگر مانتے نہیں انکار کرتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ سب کو چھوڑ کر لیکھرام کے پیٹ میں چھری چلی؟ اس کی وجہ اس کی زبان تھی کہ جب اُس نے اُسے بے باکانہ کھولا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سبّ وشتم کرنے میں حد سے بڑھ گیا اور ایک مدّ مقابل بن کر خود نشان طلب کیا تو وہی اس کی زبان چُھری بن کر اس کی جان کی دشمن ہوگئی۔ غرضکہ اصل گھر عذاب کا آخرت ہے اور دنیا میں عذاب شوخی، شرارت میں حد سے زیادہ تجاوز کرنے سے آتا ہے۔ ہندوؤں میں بھی یہ بات مشہور ہے کہ پرمیشر اور عت کا بیر د (دشمنی) ہے۔ عتّ کے معنی حد درجہ تک ایک بات کو پہنچا دینا۔) عَتّ کا لفظ عربی ہے جیسے قران شریف میں عَتُوّ ہے۔

مَیں اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ عذاب یکساں سب کو ہو۔ کفر سب ایک جیسے نہیں ہوتے تو عذاب کیسے ایک جیسا سب کو ہو۔ بعض کافر ایسے ہیں کہ ایسے پہاڑوں میں رہتے ہیں کہ وہاں اب تک رسالت کی خبر نہیں۔ اسلام کی خبر نہیں۔ تو اُن کا کفر ابوجہل والا کفر تو نہ ہوگا۔ جس حال میں ایک نہایت درجہ کا شریر اور مکذّب باوجود علم کے پھر انکار کرتا ہے تو اس کے عذاب اور دوسرے کے عذاب میں جو اس قدر شرارت نہیں کرتے ضرور فرق ہونا چاہیے۔ لیکن ان طبقات عذاب کی کہ یہ کس قدر ہیں اور کس طرح سے ان کی تقسیم ہے اس کی ہمیں خبر نہیں۔ اس کا علم خدا کو ہے۔ ہاں چونکہ خدا کی طرف ظلم منسوب نہیں ہو سکتا اس لیے طبقات کا ہونا ضروری ہے۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 126-128)

سامعین! توبہ ایک موت ہے

فرمایا:

" ہاں توبہ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان زبان سے توبہ توبہ کہہ لیوے بلکہ ایک شخص تائب اس وقت کہا جاتا ہے کہ گزشتہ حالت پر سچے دل سے نادم ہو کر آئندہ کے لیے وعدہ کرتا ہے کہ پھر یہ کام نہ کرے گا اور اپنے اندر تبدیلی کرتا ہے اور جن شہوات عادات وغیرہ کا وہ عادی ہوتا ہے ان کو چھوڑتا ہے اور تمام یار دوست، گلی کوچے اُسے ترک کرنے پڑتے ہیں کہ جن کا معاصی کی حالت میں اس سے تعلق تھا۔ گویا توبہ ایک موت ہے جو وہ اپنے اوپر وارد کرتا ہے۔ جب ایسی حالت میں وہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ بھی اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور یہ اس لیے ہے کہ گناہ کے ارتکاب میں ایک حصّہ قضاوقدر کا ہے کہ بعض اندرونی اعضاء اور قویٰ کی ساخت اس قسم کی ہوتی ہے کہ انسان سے گناہ سرزد ہو۔ پس اس لیے ضروری تھا کہ ارتکاب معاصی میں جس قدر حصّہ قضاوقدر کا ہے اس میں خدا تعالیٰ رعایت دیوے اور اس بندے کی توبہ قبول کرے اور اسی لیے اس کا نام توّاب ہے۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 133-134)

توبہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

" اِن لوگوں کو توبہ کی حقیقت کا علم نہیں۔ توبہ اس بات کا نام نہیں کہ صرف منہ سے توبہ کا لفظ کہہ دیا جاوے بلکہ حقیقی توبہ یہ ہے کہ نفس کی قربانی کی جاوے جو شخص توبہ کرتا ہے وہ اپنے نفس پر انقلاب ڈالتا ہے یا دوسرے لفظوں میں وہ مر جاتا ہے۔ خدا کے لیے جو تغیّر عظیم انسان دُکھ اُٹھا کر کرتا ہے تو وہ اس کی گزشتہ بد اعمالیوں کا کفّارہ ہوتا ہے۔ جس قدر ناجائز ذرائع معاش کے اُس نے اختیار کیے ہوتے ہیں ان کو وہ ترک کرتا ہے۔ عزیز دوستوں اور یاروں سے جدا ہوتا ہے۔ برادری اور قوم کو اسے خدا کے واسطے ترک کرنا پڑتا ہے۔ جب اس کا صدق کمال تک پہنچ جاتا ہے تو وہی ذات پاک تقاضا کرتی ہے کہ اس قدر قربانیاں جو اُس نے کی ہیں وہ اس کے اعمال کے کفّارہ کے لیے کافی ہوں۔

اہل اسلام میں اب صرف الفاظ پرستی رہ گئی ہے اور وہ انقلاب جسے خدا چاہتا ہے وہ بھول گئے ہیں اسی لیے انہوں نے توبہ کو بھی الفاظ تک محدود کر دیا ہے لیکن قرآنِ شریف کا منشا یہ ہے کہ نفس کی قربانی پیش کی جائے مَّنۡ قَضٰی نَحۡبَہٗ (الاحزاب:24) دلالت کرتا ہے کہ وہ توبہ یہ ہے جو انہوں نے کی اور مَّن یَّنۡتَظِرُ بتلاتا ہے کہ وہ یہ توبہ ہے جو انہوں نے کر کے دکھائی ہے اور وہ منتظر ہیں۔

جب انسان خدا تعالیٰ کی طرف بکلّی آجاتا ہے اور نفس کی طرف کو بکلّی چھوڑ دیتا ہے تو خدا تعالیٰ اُس کا دوست ہو جاتا ہے۔ تو کیا وہ پھر دوست کو دوزخ میں ڈال دے گا۔ نَحۡنُ اَوۡلِیَاءُ اللّٰہِ سے ظاہر ہے کہ احِبَّاء کو دوزخ میں نہیں ڈالتے۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 157-158)

سامعین! نو مبائعین کو نصیحت کرتے ہوئے حضورؑ فرماتے ہیں۔

" ہر ایک شخص جو میرے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کی بیعت کی کیا غرض ہے؟ کیا وہ دنیا کے لیے بیعت کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے۔ بہت سے ایسے بدقسمت انسان ہوتے ہیں کہ ان کی بیعت کی غائت اور مقصود صرف دنیا ہوتی ہے ورنہ بیعت سے ان کے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی اور وہ حقیقی یقین اور معرفت کا نور جو حقیقی بیعت کے نتائج اور ثمرات ہیں اُن میں پیدا نہیں ہوتے۔ اُن کے اعمال میں کوئی خوبی اور صفائی نہیں آتی۔ نیکیوں میں ترقی نہیں کرتے۔ گناہوں سے بچتے نہیں۔ ایسے لوگوں کو جو دنیا کو ہی اپنا اصل مقصود ٹھہراتے ہیں یاد رکھنا چاہیے کہ

دُنیا روزے چند آخر کار با خداوند

یہ چند روزہ دنیا تو ہر حال میں گزر جاوے گی خواہ تنگی میں گزرے خواہ فراخی میں۔ مگر آخرت کا معاملہ بڑا سخت معاملہ ہے۔ وہ ہمیشہ کا مقام ہے اور اس کا انقطاع نہیں ہے۔ پس اگر اس مقام میں وہ اسی حالت میں گیا کہ خدا تعالیٰ سے اس نے صفائی کر لی تھی اور اللہ تعالیٰ کا خوف اس کے دل پر مستولی تھا اور وہ معصیت سے توبہ کر کے ہر ایک گناہ سے جس کو اللہ تعالیٰ نے گناہ کر کے پکارا ہے بچتا رہا تو خدا تعالیٰ کا فضل اس کی دستگیری کرے گا اور وہ اس مقام پر ہو گا کہ خدا اس سے راضی ہو گا اور وہ اپنے رب سے راضی ہو گا اور اگر ایسا نہیں کیا بلکہ لاپرواہی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کی ہے تو پھر اس کا انجام خطرناک ہے۔ اس لیے بیعت کرتے وقت یہ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ بیعت کی کیا غرض ہے اور اس سے کیا فائدہ حاصل ہو گا؟ اگر محض دنیا کی خاطر ہے تو بے فائدہ ہے۔ لیکن اگر دین کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے تو ایسی بیعت مبارک اور اپنی اصل غرض اور مقصد کو ساتھ رکھنے والی ہے جس سے ان فوائد اور منافع کی پوری امید کی جاتی ہے جو سچی بیعت سے حاصل ہوتے ہیں۔ ایسی بیعت سے انسان کو دو بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے اور حقیقی توبہ انسان کو خدا تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے اور اس سے پاکیزگی اور طہارت کی توفیق ملتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَیُحِبُّ الۡمُتَطَہِّرِیۡنَ (البقرہ:223) یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور نیز اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو گناہوں کی کشش سے پاک ہونے والے ہیں۔ توبہ حقیقت میں ایسی شئے ہے کہ جب وہ اپنے حقیقی لوازمات کے ساتھ کی جاوے تو اس کے ساتھ ہی انسان کے اندر ایک پاکیزگی کا بیج بویا جاتا ہے جو اس کو نیکیوں کا وارث بنا دیتا ہے۔ یہی باعث ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے کہ گویا اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یعنی توبہ سے پہلے کے گناہ اس کے معاف ہو جاتے ہیں۔ اس وقت سے پہلے جو کچھ بھی اس کے حالات تھے اور جو بے جا حرکات اور بے اعتدالیاں اس کے چال چلن میں پائی جاتی تھیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو معاف کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک عہد صُلح باندھا جاتا ہے اور نیا حساب شروع ہوتا ہے۔ پس اگر اس نے خدا تعالیٰ کے حضور سچے دل سے توبہ کی ہے تو اسے چاہیے کہ اب اپنے گناہوں کا نیا حساب نہ ڈالے اور پھر اپنے آپ کو گناہ کی ناپاکی سے آلودہ نہ کرے بلکہ ہمیشہ استغفار اور دعاؤں کے ساتھ اپنی طہارت اور صفائی کی طرف متوجہ رہے اور خدا تعالیٰ کو راضی اور خوش کرنے کی فکر میں لگا رہے اور

اپنی اس زندگی کے حالات پر نادم اور شرمسار رہے جو توبہ کے زمانے سے پہلے گزری ہے۔ انسان کی عمر کے کئی حصّے ہوتے ہیں اور ہر ایک حصّہ میں کئی قسم کے گناہ ہوتے ہیں مثلاً ایک حصّہ جوانی کا ہوتا ہے جس میں اس کے حسبِ حال جذبات کسل و غفلت ہوتی ہے۔ پھر دوسری عمر کا ایک حصّہ ہوتا ہے جس میں دغا، فریب، ریاکاری اور مختلف قسم کے گناہ ہوتے ہیں۔ غرض عمر کا ہر ایک حصّہ اپنی طرز کے گناہ رکھتا ہے۔

پس یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور توبہ کرنے والے کے گناہ بخش دیتا ہے اور توبہ کے ذریعہ انسان پھر اپنے رب سے صلح کر سکتا ہے۔ دیکھو! انسان پر جب کوئی جرم ثابت ہو جائے تو وہ قابل سزا ٹھہر جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ (طٰہٰ:75) جو اپنے رب کے حضور مجرم ہو کر آتا ہے اس کی سزا جہنم ہے۔ وہاں وہ نہ جیتا ہے نہ مرتا ہے۔ یہ ایک جرم کی سزا ہے اور جو ہزاروں لاکھوں جرموں کا مرتکب ہو اس کا کیا حال ہو گا؟ لیکن اگر کوئی شخص عدالت میں پیش ہو اور بعد ثبوت اس پر فرد قرارداد جرم بھی لگ جاوے اور اس کے بعد عدالت اس کو چھوڑ دے تو کس قدر احسانِ عظیم اس حاکم کا ہو گا۔ اب غور کرو کہ یہ توبہ وہی بریّت ہے جو فرد قرارداد جرم کے بعد حاصل ہوتی ہے توبہ کرنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ پہلے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ کس قدر گناہوں میں وہ مبتلا تھا اور ان کی سزا کس قدر اس کو ملنے والی تھی جو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے معاف کر دی۔ پس تم نے جو اب توبہ کی ہے چاہیے کہ تم اس توبہ کی حقیقت سے واقف ہو کر ان تمام گناہوں سے بچو جن میں تم مبتلا تھے اور جن سے بچنے کا تم نے اقرار کیا ہے۔ ہر ایک گناہ خواہ وہ زبان کا ہو یا آنکھ یا کان کا غرض ہر اعضاء کے الگ الگ گناہ ہیں ان سے بچتے رہو کیونکہ گناہ ایک زہر ہے جو انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ گناہ کی زہر وقتاً فوقتاً جمع ہوتی رہتی ہے اور آخر اس مقدار اور حدّ تک پہنچ جاتی ہے جہاں انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ پس بیعت کا پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ یہ گناہ کے زہر کے لیے تریاق ہے۔ اس کے اثر سے محفوظ رکھتی ہے اور گناہوں پر ایک خطِ نسخ پھیر دیتی ہے۔

دوسرا فائدہ اس توبہ سے یہ ہے کہ اس توبہ میں ایک قوت و استحکام ہوتا ہے جو مامور من اللہ کے ہاتھ پر سچے دل سے کی جاتی ہے۔ انسان جب خود توبہ کرتا ہے تو وہ اکثر ٹوٹ جاتی ہے۔ بار بار توبہ کرتا اور بار بار توڑتا ہے مگر مامور من اللہ کے ہاتھ پر جو توبہ کی جاتی ہے جب وہ سچے دل سے کرے گا تو چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے موافق ہو گی وہ خدا خود اسے قوت دے گا اور آسمان سے ایک ایسی طاقت دی جاوے گی جس سے وہ اس پر قائم رہ سکے گا۔ اپنی توبہ اور مامور کے ہاتھ پر توبہ کرنے میں یہی فرق ہے کہ پہلی کمزور ہوتی ہے دوسری مستحکم کیونکہ اس کے ساتھ مامور کی اپنی توجہ، کشش اور دعائیں ہوتی ہیں جو توبہ کرنے والے کے عزم کو مضبوط کرتی ہیں اور آسمانی قوت اُسے پہنچاتی ہیں جس سے ایک پاک تبدیلی اس کے اندر شروع ہوتی ہے اور نیکی کا بیج بویا جاتا ہے اور جو آخر ایک بار دار درخت بن جاتا ہے۔

پس اگر صبر اور استقامت رکھو گے تو تھوڑے دنوں کے بعد دیکھو گے کہ تم پہلی حالت سے بہت آگے گزر گئے ہو۔ غرض اس بیعت سے جو میرے ہاتھ پر کی جاتی ہے دو فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ گناہ بخشے جاتے ہیں اور انسان خدا تعالیٰ کے ارادہ کے موافق مغفرت کا مستحق ہوتا ہے دوسرے مامور کے سامنے توبہ کرنے سے طاقت ملتی ہے اور انسان شیطانی حملوں سے بچ جاتا ہے۔ یاد رکھو کہ اس سلسلہ میں داخل ہونے سے دنیا مقصود نہ ہو بلکہ خدا تعالیٰ کی رضا مقصود ہو کیونکہ دنیا تو گزرنے کی جگہ ہے وہ تو کسی نہ کسی رنگ میں گزر جائے گی۔

شب تنور گذشت و شب سمور گذشت

دنیا اور اس کے اغراض اور مقاصد کو بالکل الگ رکھو۔ اُن کو دین کے ساتھ ہرگز نہ ملاؤ کیونکہ دنیا فنا ہونے والی چیز ہے اور دین اَور اس کے ثمرات باقی رہنے والے۔ دنیا کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ ہر آن اور ہر دم میں ہزاروں موتیں ہوتی ہیں۔ مختلف قسم کی وبائیں اور امراض دنیا کا خاتمہ کر رہی ہیں۔ کبھی ہیضہ تباہ کرتا ہے اب طاعون ہلاک کر رہی ہے۔ کسی کو کیا معلوم ہے کہ کون کب تک زندہ رہے گا۔ جب موت کا پتہ نہیں کہ کس وقت آجائے گی۔ پھر کیسی غلطی اور بے ہودگی ہے کہ اس سے غافل رہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ آخرت کی فکر کرو۔ جو آخرت کی فکر کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا میں اس پر رحم کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جب انسان مومن کامل بنتا ہے تو وہ اس کے اور اس کے غیر میں فرق رکھ دیتا ہے۔ اس لیے پہلے مومن بنو اور یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ بیعت کی خالص اغراض کے ساتھ جو خدا ترسی اور تقویٰ پر مبنی ہیں دنیا کے اغراض کو ہرگز نہ ملاؤ۔ نمازوں کی پابندی کرو اور توبہ استغفار میں مصروف رہو۔ نوع انسان کے حقوق کی حفاظت کرو اور کسی کو دکھ نہ دو۔ راست بازی اور پاکیزگی میں ترقی کرو تو اللہ تعالیٰ ہر قسم کا فضل دے گا۔ عورتوں کو بھی اپنے گھروں میں نصیحت کرو کہ وہ نماز کی پابندی کریں اور ان کو گلہ شکوہ اور غیبت سے روکو۔ پاک بازی اور راست بازی اُن کو سکھاؤ۔ ہماری طرف سے صرف سمجھانا شرط ہے اس پر عمل درآمد کرنا تمہارا کام ہے۔

پانچ وقت اپنی نمازوں میں دعا کرو۔ اپنی زبان میں بھی دعا کرنی منع نہیں ہے۔ نماز کا مزہ نہیں آتا ہے جب تک حضور نہ ہو اور حضور قلب نہیں ہوتا جب تک عاجزی نہ ہو۔ عاجزی جب پیدا ہوتی ہے جو یہ سمجھ آجائے کہ کیا پڑھتا ہے۔ اس لیے اپنی زبان میں اپنے مطالب پیش کرنے کے لیے جوش اور اضطراب پیدا ہو سکتا ہے مگر اسے یہ ہر گز نہیں سمجھنا چاہیے کہ نماز کو اپنی زبان ہی میں پڑھو، نہیں! میرا یہ مطلب ہے کہ مسنون ادعیہ اور اذکار کے بعد اپنی زبان میں بھی دعا کیا کرو ورنہ نماز کے ان الفاظ میں خدا نے ایک برکت رکھی ہوئی ہے۔ **نماز** دعا ہی کا نام ہے اس لیے اس میں دعا کرو کہ وہ تم کو دنیا اور آخرت کی آفتوں سے بچاوے اور خاتمہ بالخیر ہو۔ اپنے بیوی بچوں کے لیے بھی دعا کرو۔ نیک انسان بنو اور ہر قسم کی بدی سے بچتے رہو۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 141-146)

اللہ تعالیٰ ہمیں اِن نصائح پر عمل کرنے کی توفیق دیتا رہے۔ آمین

(کمپوزڈ: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)